عصر انقلاب کی داستانی ادب کا ایک مختصر جایزہ

ڈاکٹر محمد افروز عالم

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ فارسی کشمیر یونیورسٹی

afroz106gmail@gmail.com

تلخیص: داستانی تخلیقات نے انقلاب سے ایک دو دہائی قبل جو مقبولیت حاصل کی تھی انقلاب کے بعد دو تین سالوں کے فاصلے میں تیزی کے ساتھ روز افزوں ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئی۔ تقریباً چھٹی دہائی کے داستانی تخلیقات کمیت کے لحاظ سے نصف صدی میں شائع ہو کر آنے والے تمام تخلیقات کے برابر ہو گئے۔ آخری دہائی میں داستانی ادبیات کی ترویج کے دلائل میں سے ایک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انقلابی داستان نویسی کی تکمیل کے راستے میں جو پہلے کی دہائیوں میں ہی شروع ہو چکے تھے کوئی رکاوٹ حایل نہیں کیا اور نہ ہی اپنے سامنے کوئی وقفہ لایا بلکہ بدیع اور انوکھے تجربے اس دہائی کے نوجوان نسل کے دایرۂ اختیار میں دے دیا۔ جو پہلی نسل کے قلم کاروں کے تصور میں بھی نہیں سما رہے تھے۔ اس دہائی کے قلم کار کس طرح سے یہ بے مثال اور قیمتی تجربے اور اہمیت کے حامل ماحصل سے استفادہ کئے یہ دوسرا امر ہے۔ جب کہ یہ قلم کار مناسب **"موضوع"** زمانے کی تازہ **"اسلوب"** اور ہنر آفرینی لانے میں اپنے اسلاف سے دو قدم آگے نظر آرہے ہیں۔ انقلاب صرف تازہ تجربات اور اپنے مشاورتی موضوعات کو دوسری طرف فلسفی اور اجتماعی مضامین، قلمکاروں کے لئے توصیف نہیں کر رہا تھا بلکہ داستان نویسی کے لئے کوئی دوسرا دستور العمل بھی نہیں رکھتا تھا، کیونکہ کامیاب داستان نویسی کے نمونے کو شعر کے بر خلاف ایران کے کلاسیکی ادب میں اور اسلامی تمدن کی روایات کے ساتھ نہیں ملا سکتے تھے۔ اس لیے قلمکاروں کو ایک متعین راستہ جو پہلے سے آزمودہ ہو اس کی طرف ہبری کی گئی۔ یہی امر ڈراما نگاری، فلم سازی، نقاشی، موسیقی اور دوسرے ہنر میں بھی پیش آیا۔ بہتر یہ کہیں کہ انقلاب نے اپنے نظریے کے بارے میں مضامین کی توصیف کی۔ لیکن ہر ہنر کے فن اور صناعت کو جو کچھ بھی تھا یا کھل کر سامنے آرہا تھا قرض کے طور پر لیا۔ اس وجہ سے داستانی ادب کی تکمیل نے شعر کے بر خلاف کچھ حد تک طبعی صورت اختیار کی اور اُس وقت جو مضامین کے نظریے سے تبدیلی پائی وہی آگے چل کر کلاسیکی اہمیت کو مختلف طریقے سے داستانی اسٹائل کے نئے

Scanned with OKEN Scanner

فنوں کی شکل اختیار کر لی۔ اس وجہ سے مجموعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ چھٹی دہائی بھی زبان و ادبیات کے میدان میں **"دھہ حاکمیت داستان"** کا درجہ رکھتا ہے سے [1] تعارف کرایا۔

کلیدی الفاظ: ادبیات اقلیمی، داستانی ادب، دستورالعمل، موضوعات اجتماعی، میہن پرستی، تاثیر فلم سازی، تخلیق ذات، تخلیق ماہیت، پیغام طبعی، پیغام ہنری۔

چھٹی دہائی کی داستانوں کی خصوصیات میں سے ایک تخلیق ذات اور ماہیت کی طرف توجہ کرنا ہے۔ داستان کا پیغام طبعی اور ہنری طور پر اپنی جگہ پالیتا ہے۔ یہاں تک کہ چھٹی دہائی سے پہلے عام طور سے ہمارے داستانی ادب دو عمدہ جوہر سے زیادہ نہیں رکھتے تھے۔

پہلا مسئلہ سوسایٹی کی طرف رخ کرنا، غریبوں، امیروں اور حاکم و محکوم کے بیچ کے فاصلے کی تصویر کشی۔ دوسرا مسئلہ اندرونی احوال کی ضبط اور اپنی موضوعات پر ثابت قدمی جسکی وجہ سے قلم کاروں کی تحقیق و دریافت اور اس کے شخصی نظریات بیرونی دنیا کی بہ نسبت جو بدبینی کی شکل میں فلسفی پیرہن لے کر ظاہر ہو رہے تھے۔ یہ دو جوہر کبھی ایک دوسرے سے ٹکراؤ پیدا کر رہا تھا اور نقاد زیادہ تر اجتماعی داستانوں کے لکھنے کو **"متعهد"** اور قابل دفاع سمجھ رہے تھے۔ اس پہلو کے مقابلے خاص کر قلم کار نفسیاتی اور ذہنی عمل کو اہمیت کے قائل نہیں مان رہے تھے۔ کنٹرول اور نظارت کے موجود ہونے اور قلم کاروں کے امتیازی کاموں کے شدید ردّ عمل کو اجتماعی مسائل کے داخل کرنے میں صراحتاکام لے رہے تھے۔ ان لوگوں کو مجبور کر رہے تھے اپنے پیام کو داستان کے لفافے میں اس طرح سے نامعلوم طریقے سے لپیٹیں کہ اسکی ظاہری شکل و ساحت میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہ دکھے اس طرح سے کہ قارئین معنی یا پیغام کو داستان کی حوادثاتی واقعیت میں منعکس دیکھ سکیں۔ ظاہر ہے تنہا ایک آدمی اپنی داستان کے تمام اجزا کے درمیان طبعی خصوصیات اور روابط کو برقرار نہیں رکھ سکتے بلکہ اس کے لیے ایک مخصوص جماعت کی ضرورت پڑتی ہے۔ [۲]

چھٹی دہائی کے ابتدائی ایام اور خاص طور سے انقلاب کے بعد کے ماحول میں، یہ الزام قلم کاروں کے سر سے ہٹالئے گئے تھے کہ تخلیقکار اپنی تخلیقات میں ایہام و ابہام سے کام لیتے ہیں۔ ان ایام میں قارئین، قلمکار سے صراحت کی توقع رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ سبکی اور فنی مہارت کے استفادہ کے ساتھ ساتھ اس بات پر مبنی ہوں کہ داستان مستقل، خاص پیغام اور ماندگار اوصاف سے متصف ہو جائیں۔

مورد بحث دہائی کے آغاز میں کچھ قلم کار جیسے **احمد محمود، محمود دولت آبادی، اسماعیل فصیح، هوشنگ گلشیری** اور دوسری جماعت، جو تخلیق کے کاموں کو پہلے کے ادوار میں شروع کر چکے تھے، طرز سے قطع نظر اور الگ الگ سلیقے جو کہ وہ رکھتے تھے، ممکن کر سکے کہ اس طرح تلاش و جستجو میں حصہ لے سکیں۔

Scanned with OKEN Scanner

داستانی ادب نے انقلاب کے بعد وسیع پیمانے پر قارئین کے مابین شہرت حاصل کی۔ اس میں بھی کوتاہ داستان کو خاص مقام حاصل ہوا ہے۔ اگرچہ اس کے آواخر میں پہلی نسل کے قلم کاروں اور تھوڑی تھوڑی نسل جدید بلند اور قابل تحسین رمان کی طرف توجہ بڑھا سکیں۔ ان داستانوں کی جزوی اور کلی اہمیت کے بارے میں اس زمانے میں بات کرنا آسان کام نہیں ہے۔ لیکن کلی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ بہت ساری فارسی کوتاہ داستانوں کا مجموعہ نمونے کے طور بین المللی ادب سے جیسے ترکی، بلغاریہ، افریقہ اور لاطین امریکہ سے جو کہ فارسی میں ترجمے ہو رہے تھے، کچھ کم نہیں تھے اور اس صورت میں کہ بیگانے زبان سے مسؤلیت کی صورت میں ترجمہ کو ہو سکتا ہے کہ اس طرح کی شہرت اور اہمیت حاصل نہ ہوں۔ (۳)

اکثر چھٹی دہائی کا کامیاب داستان نویس وہ لوگ ہیں جو اپنی تخلیق، انقلاب سے کئی سالوں پہلے آغاز کئے ہیں۔ خارجی زبان سے خاطر خواہ واقفیت نے ان قلمکاروں کو اپنے ارتباط دنیا کی ترقی یافتہ ممالک اور وہاں کے ادب کے ساتھ برقرار رکھنے میں کافی مدد ملی ہے۔ نئے تجربات جو آخر کے سالوں میں ان قلمکاروں کو سیاسی اور اجتماعی تبدیلیوں کے توسط سے حاصل ہوئی انہی کو داستان کی شکل میں پیش کیا ہے۔

اسی جماعت کے پہلو میں ایک جوان نسل جو انقلاب پروردہ تھے اور اسی آخر کے ایام میں قلم اٹھائے تھے، جو ظاہری طور پر یہ اعلان کر چکے تھے کہ جو کچھ بھی انقلاب کے بعد کے ایام سے متعلق تجربات حاصل ہوے ہیں۔ اپنے تمام وجود کو انقلابی ورزش سے تسلیم کر رہے ہیں۔ اس طرح سے اکثر لازم فنی اور ادبی مہارت کو ان تجربوں کے ہنری بیان کے لئے اب بھی حاصل نہیں کر سکا ہے۔ اس طرح کی مہارت کو حاصل کرنا لازم اور قدماء کے تخلیقات میں غور و فکر اور خاص طور سے قدیم ایران کے ادب کے ساتھ کافی انسیت نظر آتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ادبیات جہانی سے بھی آشنائی اور لازمی چیزوں کا وجود اور بیرونی ممالک کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھانا، داستان نویسی کے قلمرو میں ہنری اور فرھنگی ہر شعبے کی خاطر خواہ نمایندگی نظر آتی ہے۔ یہ نسل جنہوں نے زیادہ تر اپنے کام کو داستان نویسی سے آغاز کئے ہیں، انقلاب کی خدمت میں تمام ادبی پہلو کی کامل حمایت، جیسے **حوزہ هنری سازمان تبلیغات اسلامی** اور **وزارت فرهنگ ارشاد ادبی** کی تشکیل صدا و سیما اور نشریات کے زیادہ امکانات سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور واجب ہے کہ ان مواقع سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے۔

آخر کے ادوار میں بغیر کسی تقدیم و تاخیر کو ترجیح دینے کی خاص وجہ ذکر کئے گئے /ذکر شدہ چھٹی دہائی کی تخلیقات میں سے چند رمان کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور ان کی مخصوص اور کامل بحث داستانی ادب کے نقادوں اور صاحب نظر کے لئے چھوڑ رہے ہیں۔

Scanned with OKEN Scanner

محمود دولت آبادی کے **"کلیدر"** اور **"روزگار سپری شدہ مردم سالخوردہ"**[۴] معروف و مشہور چند جلدی رمان **کلیدر** کی طباعت جو فارسی رمان نویسی میں نقطہ عطفی شمار کیا جاتا ہے، انقلاب سے چند ماہ پہلے شروع ہوا اور اس کی دسویں جلد پہلی بار ۱۳۶۳ش / ۱۹۸۴ء شائع ہو کر بازار میں آئی۔ روستائی اور حماسی بافت، زبان اور ساخت کی امتیازی حیثیت رکھنے کی وجہ سے مقبول خاص و عام ہو گیا۔ داستان کے واقعات جو حق طلبی اور کسانوں کی لڑائی کے روح پر مبنی ہے۔ سبز وار کے اردگرد کے گاؤں میں قلم کار کے پیدائشی علاقے کے اردگرد گھومتی ہے اور کچھ دہائی پہلے سے مربوط ہو جاتی ہے۔ یہ تخلیق جس کے لکھنے کے لئے تقریباً پندرہ سال صرف ہوئے ہیں، کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے بھی فارسی داستان نویسی کی تاریخ میں ایک خاص مقام حاصل کیا ہے۔

کلیدر کے حماسی مضمون اور فاخرانہ جوہر دولت آبادی کی مقبول ترین تخلیق کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ شاید معاصر فارسی داستان نویسی میں استوار زبان اور پہلے کے فارسی غنی ادب پر بھروسے کے ساتھ پیش ہوا ہے۔ ایک ایسی زبان جس میں خراسانی علاقائی لہجے کی غنا، الفاظ اور ساختار میں نیاپن اور پہلوانی نغمگی بھی سامنے آئی ہے۔

اس کے باوجود رمان **کلیدر** کے عمدہ واقعات، تاریخی پہلو بھی رکھتا ہے اور اجتماعی چہرہ بھی۔ دیہی لوگوں کی زندگی کی کیفیت کو تمام زاوئے سے یہاں تک کہ روانی اور کردار کی ضمیر میں تاثیر پیدا کرنے کی جہت کو بہت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کو روستائی، اجتماعی، تاریخی اور روانی کی صفات میں سے ایک میں مقید نہیں کر سکتے۔ اگر مجبور ہو جائیں گے ان کے لئے ایک مخصوص ادبی قالب کے قائل ہو جائیں گے۔ اس طرح کے نام شناختہ رمان کی قسموں کے بیچ دیکھی نہیں جاتی ہے۔ اس طرح سے زیادہ تر ناقدین اور تجزیہ و تحلیل کرنے والے جو اس کتاب کے بارے میں قلم اٹھائے ہیں یا یہاں تک کہ اس کا اجمالی تعارف پیش کئے ہیں۔ ہر ایک نے اس تخلیق کے حماسی پہلو کی طرف ایک طرح اشارہ کیا ہے۔[۵] حقیقت یہ ہے کہ حماسہ کی بہت ساری خصوصیات ،اور ان میں سے پہلوان کے کردار پر بھروسہ، کسی بھی اہمیت یا اہمیت کی مخالفت پر آمنے سامنے کھڑا ہو جانا، آخر کار حاکمیت آسمانی تقدیر کا سایہ، ہیروز کے کردار و واقعات اس تخلیق میں اس طرح ظاہر اور نمایاں ہوئے ہیں کہ **گل محمد** داستان کا پہلا ہیرو باوجود اس کے کہ جو تاریخی چہرہ سبز وار اور نیشاپور کے اطراف کے گاؤں میں چند دہائی پہلے سے آشنا ہیں، کتاب کے واقعات کی مسیر میں حماسی اور کلی مقام پیدا کیا ہے۔ دولت آبادی نے اپنے آپ کو کچھ ہے اور کچھ نہ ہے سے نہیں روکا ہے۔ اس طرح سے ان کی تخلیق کے زیادہ تر ناقدین خاص طور سے بلند رمان **کلیدر** کو **"اجتماعی ریلزم"** Realism[۶] کے نزدیک پاتے ہیں۔

Scanned with OKEN Scanner

کلیدر کی زبان کچھ کم و بیش کے باوجود آراستہ استوار اور ریشہ دار زبان ہے۔ جو کہ چند جستجو اور فرق کو تمام لوگوں کے بیچ مشخص اور ظاہر کیا ہے۔ ان برجستگی میں سے ایک کلاسیکی ادبی زبان پر بھروسہ خاص کر متنی نثر جیسے **تاریخ بیہقی** کی ہے اور دوسرا خراسان کے گاؤں کے لوگوں کے عام تمدن اور فکر کی سرشاری سے استفادہ۔

دولت آبادی اپنی ادبی فعالیت کو خاص داستان نویسی، نقد اور نظریہ کے میدان میں انقلاب کے بعد زیادہ امکانات اور مستحکم طریقے سے جاری رکھا۔ **"آهوی بخت من گزل"** ۱۳۶۷ش/۱۹۸۸ء[۷] اور آخری زمانے میں **"سپری شده مردم سالخورده"** جس کی دو جلد ۱۹۹۰/۱۳۶۹ء اور ۱۳۷۳ش/۱۹۹۴ء[۸] کے سالوں میں شائع ہوئی لیکن اب بھی وہ اختتام کو نہیں پہنچی ان کے نئے کاموں میں سے ہیں۔

ان کی آخر کی تمام کتابوں کے بارے میں اظہار نظر عملی طور پر مقدور نہیں ہیں لیکن یہی دو جلدیں جو شائع ہو چکی ہیں۔ باریک بین قارئین اور ناقدین نے بہت زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی ہے۔ ان کی تحریر کا تخیل اور انوکھاپن ان کی **کلیدر** کو سخت گیری اور دیر پسندی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ داستان کی روایت کی طرز ایک طرح سے تلفیقی ہے اس معنی میں کہ ایک راوی کی جگہ کئی راوی جو داستان کے تمام کردار میں ہیں۔ مشترک اور قدم بقدم اس کام میں لگے ہوئے ہیں، اس طرح سے پہلی داستان کے ہیرو **عبدوس** اور اس کی بہن **خورشید** کی اہمیت کا نام لیا جاسکتا ہے۔ تیسرا راوی خود قلم کار ہے جو جگہ جگہ واقعات کے دوران ظاہر ہوتا ہے۔

دولت آبادی کی دلچسپی تھیٹر میں بازی کی طرف ہونے کی وجہ سے ان کی نظر ڈرامائی ادب کی طرف مبذول ہوئی، اس موضوع میں دو ڈرامائی تخلیق **"تنگنا"** (۱۳۴۹ش/ ۱۹۷۰ء) اور **"کفنوس"** (۱۳۶۱ش/۱۹۷۲ء) ان کی جانب سے شائع ہوئی ہیں۔ **"سفر نامه دیدار بلوچ"** (۱۳۵۶ش/۱۹۷۷ء) اور کچھ **"تحقیقات موقعیت کلی هنر و ادبیات کانونی"**[۹] کے عنوان کے ساتھ (۱۳۵۳ش/۱۹۷۴ء)، **ما نیز مردمی هستیم** (۱۳۶۸ش/۱۹۸۹ء)، **"ورد، گفت و گذار سپنج"** (۱۳۷۱ش/۱۹۹۲ء)[۱۰] گفتگو کے مجموعے، انکی تنقیدی نظریات ہیں۔ دولت آبادی کی تخلیقات کا مجموعہ **کلیدر** کے علاوہ **"کتاب کارنامه سپنج"** (۱۳۶۸ش/۱۹۸۹ء) تین جلدوں میں شائع ہوئی۔

دولت آبادی انقلاب کے ابتدائی سالوں میں زندان کے تجربے سے بھی آشنا ہوئے۔ بعد میں انہوں نے یورپی ممالک اور امریکہ کا سفر کیا۔ بیرون ممالک کی یونیورسٹیز اور علمی محفلوں میں گفتگو اور سخنرانی بھی کی ہے۔ ان کی کچھ تخلیقات جیسے **گاوارہ بان، جای خالی سلوچ، آهو بخت من گزل**، یورپی زبانوں میں اور **"هجرت سلیمان"** [۱۱] چینی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔

Scanned with OKEN Scanner

دولت آبادی اسفند ماه ۱۳۷۷ش /۱۹۹۸ء میں انقلاب اسلامی کے بیس سالہ داستانی ادب کی تخلیق کے مجموعے کی بہترین زرین قلم کو اپنے ساتھ اختصاص کیا ہے۔

احمد محمود جس کے سیاسی رمان **"همسایه ها"** انقلاب سے پہلے لازمی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ انقلاب کے بعد کے ایام میں تین دوسرے رمان **داستان یک شهر، زمین سوخته** اور **مدار صفر درجه** کے نام سے شائع ہوا۔ رمان **"جنگ جو"** چھٹی دہائی کی ابتدائی نثر **"زمین سوخته"** کے ساتھ یعنی ان ہی سالوں میں جب جنگ شدید اور ہیجانی کیفیت اختیار کر چکی تھی، شروع ہوئی۔ **اسمعیل فصیح** کا **"ثریا در اغما"** (۱۳۶۲ش/۱۹۸۳ء) اور **"زمستان ۶۲"**[۱۲] (۱۳۶۴ش/۱۹۸۵ء) [۱۳] میں شائع ہونے کے ساتھ جاری رہا۔ **مخمل باف** کا **"باغ بلور"** (۱۳۶۸ش/۱۹۸۹ء) کے ساتھ اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ **"زمین سوخته"** اس کے علاوہ ایران کے زنانہ ادب میں بھی قابل تحسین اہمیت رکھتا ہے۔ اور ایرانی عورتوں کی مواقعیت کو انقلاب اسلامی کے بعد کی سوسائٹی میں بخوبی جلوہ نما کیا ہے۔

شہرنوش پارسی پور کے **"طوبا و معنای شب"**[۱۴] دوسری کھڑکی سے ایرانی عورتوں کی طرف دیکھ رہی ہے۔ **"زمین سوخته"** سے اس کا فرق صرف یہ ہے کہ اس کی قلم کار عورت ہے۔ اور اپنے تجربے کے مناظر کو دوسری طرح بیان کی ہے۔

زنانہ رمان نویسی (فیمنستی) **منیرو روانی پور** کی تخلیقات میں (جنوب کے تقصیدہ دیار کا قلم کار) خاص طور سے ان کی مشہور رمان **"اهل غرق"** (۱۹۸۹/۱۳۶۸ء) میں جنوب کے علاقے کی حال وہوا کے ساتھ (جس میں زیادہ تر صادق چوبک نے اپنے میلان کی وجہ سے مشہور ہو گئے تھے)۔ اور داستان **"دل فولاد"** (۱۹۹۰/۱۳۶۹ء) میں دوسری طرح سے توضیح دی گئی ہے۔ **سیمین دانشور** کی تخلیق **"جزیره سرگردانی"** (۱۳۷۲ش/۱۹۹۳ء)، انکی **"سووشون"** کی پہلی اشاعت ۱۳۴۸ش /۱۹۶۹ء [۱۵] کے ساتھ قابل قیاس نہیں ہیں۔ لیکن دونوں رمان ایرانی عورتوں کے مواقع کو مختلف مکان اور زمان میں ایک زنانہ قلم کار کی آنکھ سے دیکھی گئی ہے۔

عباس معروفی کی طرز دو رمان میں **"سمفونی مردگان"** (۱۳۶۸ش/۱۹۸۹ء) اور **"سال بلوا"** (۱۳۷۲ش/۱۹۹۳ء) [۱۶] بہ عینی وہی ہیں جو کہ **"هوشنگ گلشیری"** نے پہلے **"شازده احتجاب"** (۱۳۴۷ش/۱۹۶۸ء) کی تخلیق کے ساتھ اور **"بره گم شده راعی"** (۱۳۵۶ش/۱۹۷۷ء) فارسی زبان میں شروع کیا تھا۔ یہ طرز **گلشیری** کے بعد کے تخلیقات میں انقلاب سے پہلے ایام کے متعلق یعنی **"معصوم**

Scanned with OKEN Scanner

پنجم"(۱۹۷۹/۱۳۵۸ء)، **"حدیث ماهی گیرودیو"** (۱۳۶۳ش/۱۹۸۴ء) اور **"آینه های دُردار"** (۱۳۷۱ش/۱۹۹۲ء) [۱۷] ان کے پہلے کی تخلیقات کی طرح کامیاب نہیں ہو سکیں۔

رمان نویسی کی مسیر میں انقلاب کے بعد رضا جولائی کے کاموں میں سے یعنی حکایت سلسلہ **"پشت کمانان"** (۱۹۸۵/۱۳۶۴ء)، **"شب ظلمانی یلدا و حدیث درد کشان"** (۱۳۶۹ش/۱۹۹۰ء) کو یاد کرنا چاہئے۔ اور اسی طرح بلند رمان میں سے **علی اشرف درویشان** کی **"سالهای ابری"** (۱۳۷۰ش/۱۹۹۱ء) چار جلدوں میں اور **"رازهای سرزمین من"** (۱۳۶۶ش/۱۹۸۷ء) [۱۸] دو جلدوں میں جو ہر طرح سے نقد اور توجہ کا مرکز قرار پایا ہے۔ وہ کام جو اس کتاب کو **حوزہ کاری** سے دور رکھتا ہے۔ **براهنی** کی تین دوسری داستانی تخلیق یعنی **"آواز کشتگان"**(۱۳۶۲ش/۱۹۸۳ء)، **"بعد از عروسی چه گذشت"** (۱۳۶۱ش/۱۹۸۲ء) اور **"چاه به چاه"** (۱۳۶۲ش/۱۹۸۳ء) اس قدر چھوٹی اور کم اہمیت ہیں کہ انقلاب کے بعد کے رمانوں کے زمرے میں ان کو حساب کرنا بعید از قیاس ہے۔

"رازهای سرزمین من" کے قلم کار ایران معاصر کے ادبی عرصے میں داستان نویس سے زیادہ صاحب نظر نقاد کی حثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی قصہ نویسی کی کتابیں (چوتھی دہائی کے دوسرے نصف سے مربوط) ان کی پہلی تخلیقات میں سے ہیں۔ انکی **"داستانی نقد"** ایران میں داستان نویسی کے طرز کی تجزیہ و تحلیل میں لکھی گئی ہے۔ جیسا کہ ان کی **"طلا در مس"** بھی جو پہلی بار ان ہی ایام میں شائع ہوئی ابتدائی نقد کی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ جس کو تحلیلی طرز پر شعر نیمائی کی نقد اور ساختمان کے بارے میں لکھا ہے۔ (براہنی) بعد میں نقد اور دوسرے نظریاتی مقالات جن کو انہوں نے معاصر شاعروں کے شعر کے میدان میں تحریر فرمایا تھا اور ایرانی مطبوعات میں شائع کروایا تھا۔ اس کتاب میں اضافہ کیا اس طرح سے کہ ان کی **"ویرایش جدید"** جو کہ ۱۳۷۱ش/۱۹۹۲ء [۱۹] میں چھپی، تین جلدوں پر مشتمل اور اکیس سو صفحات سے زیادہ ہے۔

Scanned with OKEN Scanner

حواشی:

۱ -رک کریستف بالایی، پیدایش رمان فارسی، ترجمه مهوش قویمی - نسرین خطاط، تهران، انتشارات معین، انجمن ایران شناسی فرانسه، چ اول، ۱۳۷۷، ص ۵۷ به بعد.

۲- برای فهرست نام این کتابها، بنگرید: کریستف بالایی، همان کتاب ص ۵۸ به بعد

۳ -برای آشنایی با این رمانها و نویسندگان آن، رک: یحیی آرین پور، از صبا تا نیما، ۱/ ۲۸۷ به بعد؛- حسن عابدینی، صد سال داستان نویسی

۳-رک: محسن بابایی، نقد و بررسی رمان کلیدر، ص ۲۳ به بعد

۴ -برای بررسی اجمالی جلد اول این اثر، رک: محمود قربانی، نقد و تفسیر آثار محمود دولت آبادی، ص ۱۰۱ به بعد.

۵- برای نقد این اثر، رک: عطاءالله مهاجرانی، «وقتی ثریا ن-می درخشد»، کلک ۵۶ ۵۵، (مهر و آبان ۱۳۷۳) ص ۲۴۳ به بعد و ۲۷۷ به بعد.

۶- پیرامون دیدگاههای جامعه شناختی این رمان، رک: علی فردوسی، «آشنایی در توفان»، کلک ۵۶ - ۵۵ ص ۲۵۴ بعد.

۷- عابدینی، صد سال داستان نویسی ۲ / ۱۵۳ به بعد.

۸- جمال میر صادقی، ادبیات داستانی، صد ۶۷۵ به بعد.

۹- محمد رضا قربانی، نقد و تفسیر آثار دولت آبادی، نشر آروین، تهران ۱۳۷۳، ۱۷۵ صفحه

- محسن بابایی، نقد و بررسی رمان کلیدر، پایان نامه کارشناسی ارشد دانشگاه فردوسی مشهد ۱۳۷۳، ۱۹۳ صفحه

۱۰ -رک: عابدینی صد سال داستان نویسی در ایران، ۲ / ۲۸۰.

۱۱ -برای آشنایی با گلشیری و داستانهای او رک:

۱۲- جمال میر صادقی، ادبیات داستانی، ۶۷۶ به بعد.

۱۳- عابدینی، صد سال داستان نویسی، ۲ / ۲۷۴ به بعد.

۱۴- ابراهیم استاجی، نقد داستانهای گلشیری، پایان نامه لیسانس زبان و ادبیات فارسی، دانشگاه فردوسی مشهد ۱۳۷۰.

۱۵ -رک: جمال میر صادقی، ادبیات داستانی، ص ۶۹۲

۱۶-درمون: بوته ای شبیه خارولی بی خار با برگهای سوزنی.

۱۷ -درباره پیشینه تئاتر سنتی در ایران رک: جمشید ملک پور، ادبیات نمایشی در ایران، جلد اول، ۵۳۲ صفحه

۱۸- این شش نمایشنامه عبارت است از: حکایت م-ا اب-راه-ي-م خ-ل-ي-ل ک-ی-م-اگ-ر؛ حکایت میوژوردان حکیم نباتات و درویش مستعلی شاه جادوگر معروف؛ حکایت خرس وزدافکن؛ سرگذشت وزیرخان سراب؛ سرگذشت مرد خسیس یا حاجی قرا؛ حکایت وکلای مرافعه در شهر تبریز

۱۹- نوشین بعدها تجربه های نمایشی خود را در کتابی با عنوان هنر تئاتر منتشر کرد، که تاکنون چندین بار چاپ شده است.

Scanned with OKEN Scanner